ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.5,Issue No.3(2023)
(October to December)

اُردو میں ادبی تنقید کے نئے تناظرات کی تائید و تردید: ایک تاریخی جائزہ

In Urdu,the Affirmation and critique of New Perspectives in Literary Criticism :An Historical Review

سائرہ بانو
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، لاہور (سب کیمپس، ملتان)
محمد حنیف
پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، لاہور (سب کیمپس، ملتان)
ڈاکٹر قمر عباس
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، لاہور (سب کیمپس، ملتان)

Saira Bano
Ph.D Scholar, Department of Urdu,N.C.B.A&E, Multan
Muhammad Hanif
Ph.D Scholar, Department of Urdu N.C.B.A&E,Multan
Dr.Qamar Abbas
Assistant professor Department of Urdu N.C.B.A&E, Multan

Abstract:
This article covers contemporary critical theories, including their inception, analysis, and advancement, which help some theoretical trends gain traction in Urdu criticism but are unable to find a suitable home in oriental poetry. How much the relationship between creation and criticism impacted the current situation? Are these contemporary patterns, the power symbol firmly ingrained in Urdu criticism, or are they simply a necessity? In terms of a single, coherent interpretation, contemporary linguistics approaches such as Deconstruction, Structuralism Language, and Pasale remind us of controversy. The Urdu critics are so still lacking in it. The fall of contemporary critical trends in Urdu criticism is examined in this article. Modern Urdu criticism is unable to acquire a comprehensive theoretical or applied viewpoint, as demanded by contemporary criticism.

Keywords: evalution, theoretical trends, Urdu criticism, relationship, controversial, modern criticism,Urdu criticism.

جدید تنقیدی رجحانات کا آغاز وارتقاء اور فروغ میں اردو ادبی تنقید کے دامن وسعت اور تنگ دامنی کے مختلف پہلوؤں پر آرٹیکل احاطہ کرتا ہے۔اُردو تنقید میں کون سے فکری رجحانات کو تائید حاصل ہوئی اور وہ کون سے محرکات تھے جن کے باعث اُردو تنقید امید کرتی رہی یا کن اسباب و وجوہات کی بناء پر جدید مغربی مباحث و رجحانات کو مشرقی شعریات میں تنوع اور قبولیت کا شرف نہ مل سکا۔ جدید تنقید اور تخلیق کے تعلق، ربط اور تسلسل پر جدید مغربی مباحث کا اثر کسی ممکنہ صورتحال میں بدل سکا یا نہیں؟ کیا جدید

تنقیدی مباحث و رجحانات صرف مغربی استعمار کی علامت کے طور پر مسلط کئے گئے ہیں ی؟حقیقتاادبی تنوع اور ارتقاء کے لیے اولا جدید فکر لازم وملزوم ہے۔ جدید اصطلاحات قاری کے لیے مسائل کا باعث ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اردو ناقدین کسی ایک اصطلاح کے متفق ترجمے کو اپنا نہیں سکے مثلا Deconstruct ہو یا Steedalism Langue & parole ہو یا دیگر کئی جدید تنقید ی اصطلاحات ان کے تعین معنی کے مسائل بہر حال نئی تنقید کے تعارف و تفہیم کے لیے ابہام کا باعث رہے ہیں اس کے ساتھ مغربی تنقید بیسویں صدی کے آخری عشروں میں جدید اسلوبیاتی مباحث کو قبولیت اور مردے کھونے کے مراحل طے کر چکی جبکہ اردو کے ناقدین اس تیز رفتار پیش رفت کا ساتھ دینے میں ناکام رہے ہیں عدم تفہیم کے باعث اردو ناقدین نے ان مغربی نظریات و رجحانات کو جو بیشتر ایک دوسرے کے متضاد و متخالف ہیں۔ انہیں مترادف جان کر امتزاجی تنقید سے جوڑتے ہیں۔ جب کہ امتزاجی تنقید کا پیرا ڈائم بالکل جدا فکر کا داعی ہے۔

اُردو میں نئی تنقید ایک مکمل نظری و اطلاقی سرگرمی کی متقاضی رہی ہے۔ جس سے اُردو تنقید فی الفور بھرپور انجذاب اختیار نہیں کر سکی۔ تنقیدی منہاج اور ارتقاء کی حقیقت اس مسلم امر کی متقاضی ہے کہ اردو تنقید میں مغربی تنقید کے اثر اور انجذاب کی ابتداء کا آغاز کس عہد سے ہوا۔ شواہد سے یہ دلیل مستند ہونے میں کوئی تشکیک نہیں کہ جدید مغربی تنقید کے بنیاد گزاروں میں مولانا الطاف حسین حالی (مقدمہ شعر و شاعری ۱۸۹۳ء) سے ہی شروع ہوتا ہے اس اثر و انجذاب کی ایک قابل تفہیم صورت حالی سے لے کر رومانویت اور پھر وجودیت کی تحریک کے آغاز و ارتقا تک مکمل واضح عمل کی طرح روشن اور وقیع تناظرات کی حامل نظر آتی ہے۔ مولانا حالی کے حقیقت پسندانہ اصلاحی نظریات، رومانوی و صداقت پسندانہ انداز نقد، مارکسی جمالیات، نفسیاتی شعور و آگہی اور وجودیت کی تفکرانہ روسے اردو تنقید کے راستے روشن ہوتے گئے۔

یہ امر واضح ہے کہ پچاس اور ساٹھ کی دہائیاں مغربی انداز فکر اور نظریاتی تنوع میں بنیادی تبدیلیوں کی دہائیاں شمار ہوتی ہیں ۔جب روسی ہیت پسندی، ساختیات، رمزیات اور نشانیات بعد از مابعد ساختیات اور مابعد جدیدیت کے مباحث نے پرانے تنقیدی نظریات، رجحانات، رویوں اور طریق تنقید اسلوبیات کو تقریبا پیش پا افتادہ اور فرسودہ قرار دے دیا۔ ان عشروں میں مغربی تنقیدی اسلوبیات و اصطلاحات اور مکمل لغت یکسر نئے سانچوں میں ڈھل چکی تھی۔ اردو میں ان تغیرات اور تبدیلیوں کے اثرات واضح ابھرتے ہیں اور نوے کی دہائی میں اردو تنقید میں واضح تفہیم کے راستے کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی واضح دلیل ڈاکٹر محمد علی صدیقی ۱۹۳۸ـ، ۲۰۱۳ (مضمون ۱۹۷۶)، ڈاکٹر سلیم اختر (۱۹۷۸ مضمون) محمد حسن عسکری ۱۹۱۹ـ۱۹۷۸ (مضمون ۱۹۷۹ء) مظفر علی سید ۱۹۲۹ (1957 مضمون ء) کے نمایاں مضامین ہیں جن میں نئے تنقیدی پیراڈائم سے نہ صرف آشنائی ہوئی، بلکہ تنقیدی تناظر سے واقفیت کا انداز بھرپور دکھائی دیتا ہے۔

نوے کی دہائی میں اردو کے نامور نقاد ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ۱۹۳۱ـ۲۰۲۲ اور ڈاکٹر وزیر آغا ۱۹۲۶ نے ان رجحانات اور تنقیدی تناظرات سے آشنائی کا ثبوت دیا۔ اور ان مباحث کو مکمل انہماک سے اردو تنقید کا مرکز بنانے کی سعی کی۔ پھر تو گویا دبستان ہی کھلتا گیا۔ ادبی رسالہ "صریر" ارتقاء، اوراق، آئندہ، تشکیل، دریافت، ذہن جدید، بازیافت اور استعارہ کے صفحات میں ساختیاتی، لسانی اور مابعد جدیدیت، رد تشکیلی، تانیثی، امتزاجی تنقید کے فروغ کے لیے وقف نظر آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوا کہ اردو ناقدین کے قلم کی نوک سا سیئر، لیوی سٹراس، رولاں بارتھ، ۱۹۱۵ جوناتھن کلر، جیکس دریدا ۱۹۳۰، جیکس لاکاں ۱۹۰۱ ٹیری ایگلٹن، ساختیاتی نشانیات، ساختیات لسانیات، ردِ تشکیل، دال، مدلول، لانگ پیرول، ڈس کورس امرادی عضویت، بین المتونیت، متن کی تفہیم، فتق،

افتراق والتواء اور ڈسکورس، مرکزیت، رد مرکز کے مباحث سے صرف نظر کر ہی نہیں سکتے۔ اور شاید کچھ اور لکھنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن ان مباحث ور حجانات تنقیدی، نقطہ نظر کے باوجود یہ جدید تنقیدی رجحانات اردو تنقید کا وہ روشن راستہ اور بصیرت کے باب ہونے کا درجہ حاصل کرنے میں دقت کے مقابل رہے۔ جس سے عام قاری اور لکھاری ادب کے توسط سے روشنی کشید کرتا۔ بھاری اور ثقیل اصطلاحوں کے انبار سے الجھا اور ہلکان ذہن اس نئی تنقید کو سہن نہیں کر سکا۔ اور اس طرح سے ہماری اردو تنقیدی روایت ذرخیز حصے میں تعامل کا شکار رہی ہے جس طرح حالی سے وجودی فلسفہ اور فکر تک مغربی تنقید اردو کے ادبی منظر نامے کو اجالنے کا باعث بنی تھی۔ مغربی تنقیدی رجحانات اور فکری مباحث کے گہرے رمز شناس ناقد پروفیسر نظیر صدیقی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

> ”عام قارئین سے قطع نظر شعر وادب کی دنیا شعر وادب کے عام اساتذہ اور ناقدین کے لیے بھی پریشان کن بن چکی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ نئے ادبی نظریات کے ہنگامے کیا معنی رکھتے ہیں؟ ساختیاتی تنقید کیا بلا ہے؟ ما بعد ساختیات کیا چیز ہے؟ رد تشکیل کا آواگون کیا مفہوم رکھتا ہے۔ فیمنسٹ تنقید کسی قسم کا درد سر یا کس قسم کے درد سر کا علاج ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔“(۱)

صدیقی صاحب کی مفصل رائے قابل توجہ ہے جسے رد کرنا بہت حد تک مشکل ہے، کیوں کہ جدید مغربی تنقید کا اردو میں جو اثر ہوا وہ محض ظاہری انداز میں اپنایا گیا ہے کیونکہ اردو تنقید اس طرح ان مباحث کو مکمل طور پر انجذاب کرنے کی مہم کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یا ان نظریات کو صحیح طریقے سے ہضم کرنے کو آمادہ نہیں اس کا لاشعوری ادراک اردو میں ان نظریات کے بنیاد گزاروں کو بہ خوبی ہے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ رقمطراز ہیں:

> ”بعض کرم فرما ہر کام میں کیڑے ڈالتے ہیں۔ یہ بھی مبارک کام ہے لیکن کچھ لوگ سرے سے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں کہ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ یوں وہ اختلاف کرنے کے حق سے بھی خود کو محروم کر دیتے ہیں کیونکہ اختلاف کرنے کے لیے بھی بات کا سمجھنا شرط ہے۔“

اوڈور نو نے ایسے لوگوں کے لیے لکھا:

> They offer the shamelessly modest assertion that they do not understand this eliminates even opposition, their last negative relationship with trut.
>
> ”ایسے لوگ اصلاً ہمدردی کے مستحق ہیں کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ اس سے نقصان ڈسکورس کا نہیں خود انہیں کا ہے۔“(۲)

طنزیہ تنقیص کسی نظریہ یا مباحث کی تفہیم کی راہ ہموار نہیں کر سکتی غرض یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے تنقید کی راہیں کھولی جا سکتی ہیں اس کی جانب نظیر صدیقی صاحب نے تجزیاتی انداز میں اشارہ کر دیا ہے۔ اب ان اسباب و محرکات کی جانب تجزیہ کرنے سے اس دقت کو سمجھا جائے گا کہ جدید تنقیدی تھیوریز کیوں بامراد و باثمر نہیں ہو سکیں۔

۱۔ جدید تنقیدی نظریات کی بنیاد مغربی لسانیاتی اصولوں پر استوار ہوئی ہے جو "لسانیاتی ساختیات" سے جانی جاتی ہے جن کے بنیاد گزار ماہر لسانیات ساسیئر تھے اردو میں لسانیات کا یہ دور "یک زمانی مطالعہ" اردو ادب میں ایک اہم کارنامہ کہلایا گیا۔ جو اپنے تسلسل اور روایت کی تشکیل میں ناکام رہا ہے۔

اردو کے بیشتر اہم ماہر لسانیات زبان کے آغاز و ارتقاء کی ادق راہوں کے محقق بنے رہے۔ جن میں عین الحق فرید کوٹی، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ڈاکٹر سہیل بخاری، حافظ محمود شیرانی جیسے بلند پایہ زیرک محققین اپنی تمام تر بصیرتیں کارلاحاصل میں صرف کرتے رہے۔ اسی طرح پروفیسر خلیل صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لسانیات کے عمومی اصولوں کے فروغ میں ناقابل فراموش محنت کی اور لسانیات کی مضبوط روایت کی بناء ڈالی، مگر ان علماء میں سے کسی نے کبھی جدید مباحث اور "ساختیاتی لسانیات" کے کھوج، تفہیم و توضیح اور فروغ کو ضروری خیال نہ کیا۔

نتیجتاً جدید مغربی تنقیدی نظریات سے اردو ادب میں روشناس ہونے کی راہ کٹھن رہی۔ اور تنگ دامنی کی سنگلاخ زمین موجود تھی۔ جب تنقید کا ماحول سازگار نہیں تو کوئی ساختیاتی نقاد جدید لسانیاتی یا فلسفیانہ اصطلاحات یا جدید تنقیدی مباحث یک زمانی / دو زمانی (Synchronic/Diachronic) دال یا مدلول (Signifier/Signified) نظام اور کلام (Langue/Parole) ساختیات، پس ساختیات، مابعد جدیدیت، امتزاجی تنقید تانیثیت، نو آبادیاتی نظریات کا ذکر بھی کرے تو عام ادب کا قاری اکتاہٹ، بیزاری عدم دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ یہ امر مسلم ہے تنقید اور تخلیق لازم و ملزوم تعلق سے باہم منسلک ہیں کیونکہ تخلیق کار خود بھی شعوری لاشعوری سطح پر مکمل ناقد ہوتا ہے تنقیدی شعور سے آگاہ ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ تنقیدی روایت بھی اپنا فریضہ ساتھ ہی نبھاتی چلی آتی ہے اپنی نگرانی میں تخلیق کی راہیں ہموار کرتی جاتی ہے۔ اگر تاریخی ترتیب سے تنقیدی روایت کو جانچا جائے تو کبھی تنقید خود کو متکبرانہ وصف سے تو کبھی اصلاح و ہدایت کا منبع ظاہر کرتی رہی ہے۔ نتیجہ میں تخلیق کار کا رویہ تنقید کے لیے سخت ہوتا رہا ہے مگر عمومی طور پر تنقید، تخلیق اور تخلیق کار کے باہمی ربط سے انکار ممکن نہیں رہا۔

جدید تنقید نے آغاز سے ہی مصنف کی موت، تخلیق اور تنقید کے ربط پر کاری ضرب لگائی۔ جس سے تخلیق کار جو اصلاح تنقید سے لے رہا تھا وہ انتشار کا شکار ہوا۔ چونکہ ساختیاتی تنقید نے مکمل توجہ فن پارے کی ساخت اور اہلیت / نظام، معنی کی پرتوں کو کھولنے دریافت کرنے پر صرف کر دی جو فن پارے کے وجود کا باعث ہوتے ہیں اور اس نے فن کار اور تخلیق کی افادیت، انفرادیت سے انکار کرتے ہوئے تنقید کے تخلیق سے رشتے اور ربط کو ختم کر دیا۔ جدید تخلیق مصنف کی موت کے اعلان پر متوجہ ہونے، غور و فکر کرنے کی بجائے لاتعلق ہو گئی۔ ضمیر علی بدایونی کی کتاب "جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے تجزیہ میں انتظار حسین نے بھرپور انداز میں تخلیق کار کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔

> "ضمیر علی کا کہنا ہے کہ جدیدیت، کمیونزم کا وہ طویل بیانیہ ہے جو کہ اب اختتام کو پہنچا۔ ہم نے اس کی آخری جھلکیاں وجودیت میں دیکھیں تھیں وہ کہتے ہیں کہ وجودی فلسفے میں جدیدیت نے آخری ہچکیاں لیں۔ ساختیات اور پس ساختیات نے غیر شخصی بیانیہ کے عقیدے کو پیش کیا۔ آدمی الگ ہو گیا۔ ان نظریات نے ادب میں ادیب کو مسترد کر دیا۔ صرف متن اہم ہے۔ لکھنے والا اضافی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے نکال باہر کیا جائے۔ ایسے فلسفے میں صرف دانش

> وروں ہی کو دلچسپی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا ساختیات اور پس ساختیات کے روبہ روبے چارہ ادیب، شاعر اور کہانی کار حواس باختہ نظر آتا ہے۔ وہ خود کو اس منظر نامے میں ٹاٹ باہر پاتا ہے۔ تخلیق کو تو نرا متن سمجھا جاتا ہے جس میں تخلیق کار کا کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔ ایسا فلسفہ ادیبوں کو بھلا کسی طور تحریک دے سکتا ہے۔ اور کس طرح ادب میں نئے رجحانات کے لیے راہ ہموار کر سکتا ہے لہٰذا اس کی قسمت یہی ہے کہ یہ صرف تنقید کا نیا کلچر ہو کر رہ جائے۔ (۳)

جدید مغربی ناقدین دریدا، لاکاں، فوکو اور جدید تنقیدی تناظرات کے فروغ کنندہ لیوی سٹراس ادب کے الگ دیگر فلسفیانہ لسانی علوم کے شعبوں سے وابستہ تھے۔ اس کے لیے ان کے پیش کردہ مباحث، پس منظر میں زیادہ تر فلسفیانہ انداز فکر سے تعلق نمایاں ہوتا ہے اردو کا عام قاری تو خیر کیا سمجھتا بڑے بڑے معتبر علماء بھی فلسفے کی مدلل جدلیاتی فکر سے لاعلم ہیں۔ فلسفہ بطور علم تو نصاب و تدریس میں شامل کرنے کی کوشیش جاری ہیں مگر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی جیسی قدیم موقر درسگاہوں میں ان شعبوں کو معاشرے کے لیے غیر موثر تصور کرتے ہوئے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ فرانس میں سکول کی اعلیٰ درجہ کی جماعتوں میں بھی فلسفہ پڑھایا جارہا ہے جدید تنقیدی ماہرین اور اہم مفکر ژاک دریدا اپنے انٹرویو کے ذریعے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نئی نسل کو ثانوی درجوں سے ہی فلسفہ کی تعلیم لازمی دی جانی چاہیے۔ وہ کہتے ہیں:

> ”جہاں تک فرانس کا تعلق ہے تو ۱۹۷۵ء میں ہمیں تشویش تھی کہ فرانس کے ہائی اسکولوں میں فلسفے کی درس و تدریس کو نہ صرف یقینی بنایا جائے بلکہ اسے وسعت بھی دی جائے۔ جیسا کہ آپ کو علم ہو گا کہ فرانس اب دنیا کے ان چند ملکوں میں سے ہے جہاں دسویں جماعت کی سطح پر فلسفے کی تدریس کا انتظام موجود ہے مگر ہماری خواہش یہ تھی کہ اس مضمون (فلسفہ) کو دسویں جماعت کے سال آخر سے پہلے طلباء سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان وجوہات کا بھی تجزیہ کیا جائے جس کے تحت ایک فرانس ہی کیا دیگر ممالک میں بھی طویل عرصے تک یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ سولہ سترہ سال کی عمر سے کم کے طلبا کو فلسفے کی تعلیم نہیں دی جانی چاہیے۔ یعنی فلسفے کے خلاف ان تعصبات اور مفروضات کے پس پشت جو معاشرتی و سیاسی نوعیت کے عوامل کار فرما رہے ہیں ان کا سراغ لگایا جائے اور نو عمروں کو فلسفے کی تدریس اور اس کی توسیع کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔“ (۴)

اس طرح وہ معاشرے جہاں فلسفے کو دیگر تہذیبی عقلی علوم کے ہمراہ قدر شناسی کے درجے پر فائز کیا جاتا ہے وہاں تنقیدی فکری رجحانات کا سامنے آنا فطری عمل ہے۔ اور جن معاشروں کی بنیاد فکری افلاس پر استوار ہو وہاں ایسی تنقیدی فضا کا ترویج پانا اور تفہیم کو آسان بنانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ فلسفہ سوال کرنا، سوچ کو کریدنا سکھاتا ہے۔ اردو ادب کے تنقیدی زوال کا بڑا سبب فکری انتشار ہے جس کی بنیاد میں تہذیبی علوم سے اجنبیت اور عدم مسابقت ہے۔ جدید مغربی تنقیدی نظریات بالذات قابل فہم اور قابل اطلاق ہیں ان کے فروغ کی بڑی رکاوٹ ہمارے معاشرے میں پس ماندہ علمی پس منظر ہے جو انہیں قابل فہم بنانے کو تیار نہیں۔

۳۔ بغور تجزیہ سے جدید مباحث کے فروغ میں اہم مسئلہ اصطلاحات کا ہے۔ اردو تنقید سے بہت جلد مانوس رشتہ قائم کرنے کے لیے جو اصطلاحات رومانوی، نفسیاتی، تاریخی، مارکسی تنقید میں استوار ہوئیں انہیں اردو تنقید کے پہلے باقاعدہ ناقد مولانا

حالی اور ان کے معاصرین نے بہت واضح طور پر ترتیب دیا۔ یہیں یہ پہلو قابل توجہ بھی ہے کہ جدیدیت کی بیشتر اصطلاحات کے تراجم میں اردو ناقدین متفق ہوئے مگر جب بحث جدید مغربی نظریات اور افکار میں رائج اصطلاحات کی ہو تو تنقید کے ہر سطح کے قاری کے لیے مسئلہ پیدا کرتی ہیں۔ جدید مباحث کے سرچشموں سے فیض اٹھانے والے اردو ناقدین ایک تنقیدی اصطلاح کے متفق ترجمے کو قبولنے پر آمادہ نہیں نظر آتے۔ یہی صورتحال مغربی اسماء الرجال کے سلسلے میں مد نظر رہی ہے۔ جس کی درج ذیل مثالیں یہ ہیں۔

۴۔ لفظ Structuralism کے لیے مظفر علی سید نے ترکیبیت، تشکیلیت شمیم احمد اور شمس الرحمن فاروقی نے وضعیت اور حسن عسکری نے فلسفہ ساخت اور اکثریت نے ساختیات" کا لفظ برتا ہے جسے عموماً بطور اصطلاح تسلیم کر لیا گیا۔ مگر یہ مباحث الجھن کا شکار ہیں۔

ب۔ ساختیاتی لسانیات کے ماہر فرڈی نینڈی ساسیر ہیں۔ ان کو یا تو ساشیور لکھا گیا کہیں سوسیور پڑھا گیا کسی نے اس کے لیے سوسر کی املاء استعمال کی۔ کہیں سوشور پڑھا گیا۔ یہ فلسفیانہ لسانی اعتراضات قابل لحاظ رہے ہیں۔

ج۔ دریدا کی اصطلاح Deconstruction" کا ترجمہ ڈاکٹر وزیر آغا نے ساخت شکنی" مظفر علی سید نے تشکیل نو" شمس الرحمن فاروقی (12) نظیر صدیقی (13) نے لا تشکیل" جب کہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (14) اور عتیق اللہ (15) نے رد تشکیل اور شارب رد دہلوی (16) نے رد تعمیر کے الفاظ سے بدلا ہے۔ اس حوالے سے توضیح کرتے ہوئے نارنگ صاحب عام طور پر ان جدید اصطلاحات کا اردو ترجمہ کرنے میں نامور ناقدین کے مقابلے میں زیادہ کامیابی سے تراجم کو رواج دینے میں مستند مانے گئے۔ مگر اپنے ترجمے "Deconstruction" کے سلسلے میں شدت سے مرکز گریز انتشار کی راہ اختیار کرتے ہیں جس کی توضیح لا تشکیل ہی بہترین تسلیم ہو سکتی ہے. رد ساختیات" ترجمہ کرنے والے مترجم (17) کا خیال خود پسندی کی نشاندہی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حقیقت واضح طور پر جانچی جا سکتی ہے کہ "اصطلاح" کی اثر پذیری عوامی مقبولیت کی رہین منت ہوتی ہے نہ کہ مترجم کی خود پسندی وسیلہ بنے۔

۵۔ گزشتہ صدی میں مختلف تحریکوں اور تخلیق کاروں نے معاشرے کے ہمراہ بامعنی رشتہ استوار کیا۔ پھر ترقی پسند ادیب مجموعی سطح پر معاشرتی انقلاب کا داعی ہوا خود فیض جیسے سرخیل انقلابی نے اس کی وضاحت کی ہے۔

"فنکار پر محض مشاہدہ ہی نہیں مجاہدہ بھی فرض ہے۔"(۱۸)

وجودیت کے نقطہ نظر میں مرد کی انفرادی آزادی کا نظریہ پیش نظر رہا۔ اسی ضمن میں سارتر، کرسٹوفر کاڈویل، پابلو نرودا مغربی دانشوروں میں نمایاں رہے اور مشرقی مفکروں میں ناظم حکمت کا، فیض، سجاد ظہیر اور سبط حسن کی عملی کاوشوں سے انکار ممکن نہیں ہے۔ جدید نظری اور فکری مباحث کے بانیوں میں نوم چومسکی، میشل فوکو، ایڈورڈ سعید سے قطع نظر باقی تمام ناقدین ادیب کی ارادی معنویت سے گریزاں ہیں، پس۔۔ ان کی عملی جدوجہد کی شرکت ناممکن ہے۔ نتیجتاً تنقیدی مباحث کے توسط سے تخلیق، تخلیق کار اور معاشرے کے مابین مضبوط ربط پیدا نہیں ہو سکا۔ یوں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جدید تنقیدی نظریات سوڈو دانش ورانہ سرگرمی کے علاوہ کوئی تاثر دینے میں ناکام ہی رہے۔ مجموعی طور پر جدید ناقدین کے نزدیک ادب سماجی، معاشرتی معنویت کی متحمل تخلیقی سرگرمی ہے ہی نہیں تو یہ کسی بڑی معاشرتی تبدیلی کا بنیادی محرک کیسے بن سکتی ہے، جدید تنقیدی نظریات کے باعث خصوصی رد عمل نے ادب کے قاری کو ان نظریات کو اختیار کرنے میں تعامل سے کام لیا۔ کیونکہ جدید نظریات نے ادب اور ادیب کی سماجی ذمہ داریوں کی سرگرمیوں سے یکسر انکار کیا ہے۔

۶۔ چند اہم جدید ناقدین کے علاوہ اردو میں جدید تنقیدی مباحث اور نظریات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا۔ سب سے بڑا سقم اور احتراز ان مباحث کی تفہیم میں جو حائل رہا وہ تمام ناقدین و ناصرین نے اُن موضوعات پر اظہار کرتے ہوئے انگریزی زبان میں موجود ریڈرز یا پھر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر وزیر آغا، محمد علی صدیقی، ضمیر علی بدایونی، ڈاکٹر فہیم اعظمی، اور دیگر مبصرین مترجمین کو ہی بنیادی ماخذ تصور کیا اور انہی لوگوں کی کتابوں پر اکتفا کیا۔ اس طرح ناقدین بالواسطہ مطالعہ اور اصل ماخذات تک رسائی نہ ہونے کے باعث فکر (نظریہ) اور ساختیاتی لسانی مباحث ان ناقدین کے لیے مبہم اور گنجلک فکر پیش کرتے ہیں. صرف تھوڑے نامکمل علم کی نمائش کو اہم سمجھتے۔ ہیں۔ اسی طلب سے اکثر مقامات پر نظریات کی توضیح اور تفہیم میں جھول، بے ربطگی سے مضحکہ خیز صورتحال دکھائی دیتی ہے۔ اسی حوالے سے اپنی تالیف شدہ کتاب "جدید ادبی لسانی تحریکیں" میں یونس خان ایڈوکیٹ میں لکھتے ہیں:

> ،،'ساسئر نے اپنے نظریہ قرآت کو چومسکی کے نظریہ اہلیت کی اساس پر قائم کیا ہے
> اس کے نزدیک کلام یا گفتار زبان کے نظام پر قائم ہے۔،(۱۹)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ساسیور ۱۸۵۷ جن کی وفات ۱۹۱۳ میں ہو چکی وہ دوبار جنم لے کر نوم چومسکی ۱۹۲۸ کے نظریہ اہلیت (Competence) سے کیونکر متاثر ہو سکتے ہیں؟ دونوں کے درمیان نصف صدی کا وقت حائل ہے۔ اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یونس خان نے جوناتھن کلر کی اپنی کتاب ساختیات کی لسانی اساس "The Linguistic Basis of (Structuralism) میں سوسیور کے (language parole) دال اور مدلول کی بجائے چومسکی کے "اہلیت" (Competence) اور کارکردگی (performance) کے نظریہ کے زیر اثر تھا۔

ایک اور مثال روؤف نیازی کی "مابعد جدیدیت تاریخ و تنقید" میں ایڈورڈ سعید ۱۹۳۵۔ ۲۰۰۳ پر لکھے گئے ابواب سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کے انہوں نے ایڈورڈ سعید کو براہ راست نہیں پڑھا۔ ان کے بارے میں چند تنقیدی آراء سے اپنی فکر کو پیش کر دیا ہے جو سراسر مہمل عمل ہے (۲۰)

۷۔ مغربی نظریات کی پیش رفت اردو تنقید میں بڑی وضاحت سے مد نظر رہی ہے۔ خصوصاً بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں ساختیات مابعد ساختیات اسلوبیات نیو مارکسزم کرفوڈ تشکیل تانثیت جیسے ریڈیکل رجحانات تیز رفتاری سے ابھرتے اور معدوم ہوتے رہے۔ مغربی ناقد فرنیک کروڈبڑی دلیل سے دعویٰ کرتے ہیں کہ مغربی تنقیدی تھیوریز کی مجموعی عمر چار سے دسبرس سے تجاوز نہیں کرتی کیونکہ ابھی ایک نظریہ اعتبار کی حد کو چھونے کے قریب ہی ہوتا ہے جبکہ تنقیدی وسعت نئے راستے کی جانب گامزن ہو جاتی ہے۔ اسی سبب سے اردو تنقید اس تیز رفتاری کے ہمراہ آگے بڑھنے سے مکمل طور پر قاصر ہے۔

۸۔ جدید تنقیدی نظریات پر بے شمار وضاحتی مضامین، ان کے رد اور حق میں کتابیں کثرت سے شائع ہوئیں۔ لیکن جدید تنقیدی رجحانات پر عملی اور اطلاقی تنقیدی نمونے بہت کم ملتے ہیں۔ چیدہ چیدہ مثالوں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، لنڈا وٹنگ، ناصر عباس نیر، سید عامر سہیل کے مضامین مگر ان تمام عملی مواد سے خاطر خواہ دروا نہیں ہوتے جس سے قاری نئی قرات سے تنقیدی منہاج کو دریافت کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ مثلاً نارنگ صاحب کے مضمون میں وہ،، فیض کو کیسے نہ پڑھیں "کسی نئی بصیرت افروز دنیا کے جہان معنی سے متعارف کروانے میں ناکام رہے ہیں۔ جس سے کوئی نئی بصیرت اور وژن نہیں ابھرتا جس سے قاری تخلیق کی

نئی معنویت اخذ کر سکنے کے قابل ہو سکے۔ جو اس سے قبل فیض کی تفہیم کے پیراڈائم کو شفٹ کرنے کا باعث ہو سکے۔ یہی سعی بے کار اکثریت مطالعات میں جھلکتی ہے۔

۹ جدید مغربی تنقیدی نظریات باہمی ٹکراؤ، تضاد اور مخالف رشتے میں منسلک دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی مثال ساختیات اور ردِ تشکیل کے اختلافی پہلوؤں میں واضح دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مابعد ساختیات اور مابعد جدیدیت کے اختلافی اور مختلف النوع رجحانات قابل توجہ ہیں۔ جبکہ اردو ناقدین میں یہ غلط فہمی رواج پا رہی ہے کہ جیسے یہ تمام مباحث ایک دوسرے کے مترادفات ہوں ۔ جس طرح ان کا ذکر ایک تسلسل کے ساتھ یک زبان کیا جاتا ہے۔ جو صریحاً غلط روش ہے اسی ذیل میں کسی ایک اردو ناقد کے متفرق مضامین کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت ساختیاتی لسانیات کا ناقد اور رد تشکیل کا مفکر، مابعد جدیدیت، امتزاجی تنقید کے ساتھ تانیثی شعور کا مبصر عظیم ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

یہیں سے اُردو تنقید نے خود اپنے لیے مشکل تشکیلات کے راستے وضع کر لیے ہیں جو ان مباحث کی درست تفہیم وارتقاء اور فروغ کے لیے سراسر خطرہ ہیں۔ دیگر ناقدین نے اپنے تئیں اپنی اسی ملغوبہ فکر کو امتزاجی تنقید کا نام دینے میں تامل نہیں کرتے۔ گرچہ امتزاجی تنقید ایک الگ فکری نظام کی غماز ہے۔ جدید مغربی تنقید سے لاعلمی کے باعث لغو دعوے سامنے آتے ہیں کہ فلاں ناقد کے ہاں اتنے برس تک امتزاجی مزاج تھا جو بعد ازں یکسر دوسری تنقیدی سرگرمی کے زیر اثر ہو گئے۔ ان کی توضیح ایک نامور ناقد نے یوں کی ہے:

> ”ساختیات اور پس ساختیات پر نظری مباحث زیادہ ہوتے ہیں کہیں کہیں ساختیاتی تنقید کا عملی اطلاق بھی ہوتا ہے۔ میں خود امتزاجی تنقید Synthetic Criticis کا قائل ہوں۔ لہذا کسی تخلیق کو خالصتاً ساختیاتی حوالے سے دیکھنے کے بجائے اسے بطور تخلیق اہمیت دیتا ہوں۔ اور اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اگر ساختیاتی حوالے کی ضرورت پڑے تو اسے بھی بروئے کار لے آتا ہوں۔ میرے نزدیک نفسیاتی، مارکسی، آرکی ٹائیپل، اسلوبیاتی، اساطیری، ساختیاتی یا دیگر کسی حوالے کی طلب خود تخلیق کی طرف سے ہو تو بات بنے گی۔ ورنہ شعوری طور پر کسی خاص ڈسپلن کی مدد سے تخلیق کا جائزہ لینا تنقیدی افق کو محدود کر دے گا۔“(۲۱)

۱۰۔ جدید تنقیدی نظریات کے اردو ناقدین کی زیادہ تعداد جدیدیت، مابعد جدیدیت اور ترقی پسند رجحان کے مخالف ہیں جبکہ مغربی تنقید ہم عصر ہے بیشتر ناقدین نئے یساری (Leftist) ہیں۔ یہی اختلاف اور تضاد اردو تنقید اور نئے قارئین کے لیے مسائل کا باعث بن چکا ہے۔ ان کے لیے ایگلٹن، فوکو، نوم چومسکی اور ایڈورڈ سعید پر تنقید ذہنی و فکری تحفظات کا شکار بن جاتی ہے۔ ظاہرا مغربی ناقدین کی توضیح بغیر تفہیم اور انجذاب کے ناممکن ہے۔

۱۱۔ سب سے اہم پہلو ترقی پسند اور جدیدیت کے فکری مباحث کو تنقیدی منظر نامے سے خارج کرنے کی کوشش بے کار کی گئی ۔ تو ناقدین کی جانب سے مزاحمتی رویے کا کھل کر اظہار کیا گیا۔ ڈاکٹر محمد عقیل اور محمد حسن اور محمد علی صدیقی راحت سعید، مرزا ریاض صدیقی اور دیگر ناقدین ترقی پسندانہ فکر کے حامل ناقدین ہیں۔ محمد حسن عسکری نے مابعد الطبعیات کے نظریات اور مذہبی فکری احساس پر زد کے باعث ان کو غیر اہم قرار دیا جبکہ احمد ہمیش، وارث علوی، وحید قریشی اور فضیل جعفری نے سخت استہزائی انداز میں جارحانہ مزاحمتی رویہ سے اسے سامراجی ڈسکورس قرار دیا۔

ترقی پسند ناقدین نے ان نظریات کی توضیح میں انہیں منطقی استدلال کے ساتھ مغربی سامراجی استعمار قرار دے کر ان کی تردید کر دی یہ نو آبادیاتی ڈسکورس کے نفاذ کا ڈھکوسلہ ہے اور مغربی طاقت کے نشے میں چور حکمران طبقہ اپنے imperialism کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ جس کی نشاندہی ان اقتباسات میں مکمل کر دی گئی ہے۔

> ''جہاں تک زبان شناسی کا تعلق ہے تو آدمی اس کی جڑوں کو بھول کر جو برطانیہ کی منطقی اثباتیت اور ویانا کے مکتب فکر میں پیوست ہیں صرف اپنے آپ کو خطرے میں ڈال سکتا ہے اور ان دونوں مکاتیب فکر کی قوت محرکہ ان کے اس مراق میں مخفی تھی کہ کسی نہ کسی طرح مابعد الطبیعات کے امکان کو خارج کر دیا جائے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک الہامی کتاب کو، بطور ایک الہامی کتاب کے کسی منطق کے زور پر اس قسم کی باز پرسی یا تفتیش کا ہدف بنایا جا سکتا ہے۔''(۲۲)

> ''ہاں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نشانیات اور ساختیات ہم معنی اصطلاحیں نہیں ہیں۔ مزید یہ کہ بارتھ، دریدا اینڈ کمپنی نے ۱۹۶۰ء کے آس پاس سوسیر کو بہانہ بنا کر نیز اس کی کلیدی اصطلاحوں مثلاً لانگ، پارول، معنی نما، اور تصور معنی کی بیساکھیوں کی مدد سے جو چھلانگیں لگائیں اور پھر جس طرح نشانیات کے ماہر سوسیر کو تمام سماجی علوم کا سائنس داں قرار دیا اس کے پیچھے ایک اہم اور خود غرضانہ مقصد بھی کار فرما تھا۔''(۲۳)

> ''اسٹرکچرل نفسیات اور لسانیات نے سرد جنگ میں پھنسے ہوئے انسانوں کے لیے ایک ایسا مذہب تیار کیا ہے جو انہیں چیزوں کی شیئت میں الجھا کر خود چیزوں سے الگ تھلگ کر دیتا ہے۔''(۲۴)

جدید تنقیدی مباحث کی انفرادیت اور نئی جہت کو صرف اردو تنقیدی حلقوں میں ہی نہیں خود مغربی حلقوں میں بھی شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی شدت پسندانہ مثال کیمبرج یونیورسٹی میں ۱۹۸۰ء میں ایک انگریزی پڑھانے والے استاد کولن میک،، کو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے کیونکہ وہ ساختیات کے نظری مباحث کو تنقیدی نظریہ میں اہمیت دینے کا قائل تھا۔ اس یونیورسٹی کے ایکشن پر ساختیاتی مبلغین نے وسیع پیمانے پر احتجاج بھی کئے۔ اور انگریزی رسالے ''ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ'' نے ایک خصوصی نمبر بھی شائع کیا جس میں نظریہ ساختیات کی تفہیم اور تائید میں بے شمار مقالہ جات ہی تحریر نہ ہوئے بلکہ پروفیسر کولن میک برطرفی کے معاملے پر بھی زور دیا گیا۔ کیونکہ حقیقی طور پر پروفیسر کولن میک ساختیات کے ساتھ مارکسزم کے بھی شیدائی تھے جس میں لاکان کی نفسیاتی مارکسزم کی تعبیرات سے اثر پذیری جھلکتی تھی۔

۱۲۔ جدید مباحث کے فروغ میں اہل مغرب نے امریکی اور فرانسیسی یونیورسٹیوں اور ان مقلدین دانشوروں کے کردار کو مثالی گردانا جاتا ہے جب کہ مشرقی معاشروں نے ادارتی جبر و تسلط نے روشن فکری فہم پر تسلط جمائے رکھا تو نئے نظریات کو پنپنے کا موقع کیونکر میسر آتا۔

آزاد ریاستی فکر و طن پرستی، اسلام دوستی کی عجیب منطق کو مسخ کر کے تعلیمی درسگاہوں میں فکری افلاس تہی دامنی کا ثبوت دیا گیا۔ تدریسی اداروں کو بنیادی تحقیق کے مراکز میں بدلنے کی بجائے متشددانہ سوچ، مذہبی اشتعال پسندی، ذہنی غلامی کی طرف

گامزن کر دیا گیا۔ ایسی صورتحال میں جدید فکر اور تنقیدی مباحث پر تحقیقی اور غور و فکر عملی تدریسی مراکز میں ہونا ممکن نہیں ہے اکثر اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اردو نصاب میں ترقی پسند مصنفین بیدی، منٹو عصمت چغتائی فیض، راشد، میراں جی اور دیگر مصنفین کو شامل کرنا ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ ایسے میں ژاک دریدا، سوسیور، لیوی سٹراس، جیکس لاکاں، رولاں بارتھ، میشل، فوکو، فرانز فینین، ایڈورڈ سعید نوم چومسکی جیسے عالمی تناظرات پر قلم اٹھانے والے مفکرین کیونکر اہم ہو سکتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ فکری اور ادبی جمالیات اور فلسفیانہ تفکر سے ادب کی جانچ کا فقدان ہے کیونکہ جب عالمی تناظر یا عقلی دلائل سے فکری مباحث کو ادیب اور ناقد اپناتے ہیں تو ان پر حب الوطنی اور غداری کی تعزیرات کے فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ سزائیں تجویز کر دی جاتی ہیں۔

تنقیدی تجزیہ سے یہ محرکات تو وضع ہو گئے کہ جدید مباحث اردو تنقید میں اور مستند منہاج کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکے مگر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف،، ساختیات پس ساختیات میں نئی تنقید کو تھیوریز کو نئی بوطیقا قرار دے کر لکھتے آئے ہیں۔ مولانا حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کے عین سو برس کی تاویق کے بعد جدید مباحث پر اپنی نئی بوطیقا پیش کر رہے ہیں۔ موجود وقت میں جدید تنقیدی مباحث اپنے ابہام و مسائل تو کسی قدر حل کر پائے اور بہت کچھ تحقیقی تنقیدی ویژن بھی سامنے آچکا یہاں تک کہ اب ان مباحث جدید نظریات و صراحت سے ناواقفیت اور اجنبیت کی دیوار گر چکی ہے لیکن ان مباحث کے رد و تائید کے لیے افہام و تفہیم کا پیراڈائم شفٹ کیا جانا چاہیے اس میں طویل مدت درکار ہے کہ یہ نئی تنقیدی تھیوریز اور مطالعے جدید تحقیق کے لیے وسعت سوال دراز کیے ہوئے ہیں۔

حق تنقید لازم ہے مگر اس کے شرط کے ساتھ
جائزہ لیتے رہو اپنے گریبانوں کا

حوالہ جات

۱۔ نظیر صدیقی، معاصرانہ ادبی نظریات ایک سکینڈ ہینڈ مطالعہ (مشمولہ) بنگلور، پہلی کتاب، ۱۹۹۱ء، ص:۳۹۸

۲۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، (دیباچہ)، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص:۱۳۔۱۴

۳۔ انتظار حسین، کتاب حاضر، مصنف غائب، مشمولہ مکالمہ کراچی، شمارہ ۶، ص:۲۸۰

۴۔ ژاک دریدا۔ ایک گفتگو، ترجمہ قاضی قیصر الاسلام، (مشمولہ) دریافت، کراچی، ۱۹۹۲ء ص:۲۵

۵۔ شمیم احمد، موجودہ عہد میں علوم بلاغت کی اہمیت، (مشمولہ) درسی بلاغت ترقی اردو بیورو، دہلی ۱۹۸۹ء ص:۱۷۸

۶۔ فاروقی، شمس الرحمان، پس نوشت شعر غیر شعر اور نثر، مشمولہ مکالمہ، کراچی، شمارہ۔ ۳، ص:۱۶۲

۷۔ مظفر علی سید، تعارف و ترجمہ، تفسیر قرآن اور فلسفہ جدید از محمد حسن عسکری، لاہور، معاصر، شمارہ ۲،، ص:۶۵۹

۸۔ مظفر علی سید، تنقید کی آزادی، لاہور، دستاویز، سن ندارد میں:۳۳۵

۹۔ محمد حسن عسکری، جدیدیت، آب حیات، راولپنڈی ۱۹۷۹، ص:۸۷

۱۰۔ مظفر علی سید، تعارف و ترجمہ، تفسیر قرآن اور فلسفہ جدید از محمد حسن عسکری، ص:۳۳۵

۱۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا، دستک اس دروازے پر، لاہور، مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۹۳، ص:۱۵۷

۱۲۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، پس نوشت شعر غیر شعر اور نثر، ص:۱۶۷

۱۳۔ نظیر صدیقی، معاصرانہ ادبی نظریات ایک سکینڈ ہینڈ مطالعہ مشمولہ بنگلوار، پہلی کتاب، ص:۴۱۸

۱۴۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات، ص:۲۰۴

۱۵۔ ڈاکٹر عتیق اللہ، ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ، دہلی، اُردو مجلس، ۱۹۹۵ء، ص:۵۸۱

۱۶۔ ڈاکٹر شارب ردولوی، آزادی کے بعد دہلی میں اردو تنقید، دہلی، اُردو اکادمی، ۱۹۹۱، ص:۱۰۴

۱۷۔ کاشف بلوچ، ژاک دریدا، رد ساختیات اور معاصر اردو تنقید غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم فل، زکریا یونیورسٹی ملتان

۱۸۔ فیض احمد فیض، ابتدائیہ، دست صبا، مشمولہ نسخہ ہائے وفا، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص:۱۰۳

۱۹۔ یونس خان ایڈووکیٹ، جدید ادبی اور لسانی تحریکیں، لاہور، دُعا پبلی کیشنز، ۲۰۰۳، ص:۱۶

۲۰۔ روف نیازی، مابعد جدیدیت، (تاریخ و تنقید)، کراچی، حلقہ آہنگ نو، ۲۰۰۳ء ص:۱۰۰۔۱۱۰

۲۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا، ایک نجی خط سے اقتباس، مشمولہ سوغات بنگلور. پہلی کتاب، ۱۹۹۱ء، ص:۱۰۸

۲۲۔ محمد حسن عسکری، تفسیر قرآن اور فلسفہ جدید، تعارف و ترجمہ مظفر علی سید، لاہور، معاصر، شمارہ 2 ص:۶۶۵

۲۳۔ فضیل جعفری، (اداریہ)، تشکیل کراچی، شمارہ ۳۶ تا ۳۹ ص:۱۸

۲۴۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی، نشانات، کراچی، ادارہ عصر نو، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۹

25. Raman selden, A Reader's guide to contemp- orary Literary theory, the Harvestor Press Susses, 1985, P. 1-2

References in Roman Script:

1. Nazeer Sidiqi , Maasirana Adbi Nazriyaat Angloar, Pehli kittab , December 1991, p:398
2. Goppi Chand Narang, Dr,Debacha,Sakhtiyaat Pas-e-skhatiyaat aur Mashriqi shairyaat , lhr sang e meel publication, 1993 p 13,14
3. Intaazar Hussain, kitaab Hazir , Musanif ghaib , Mashumoola Mukalama Karachi Shumara 6, p,280
4. Yak Darida , Aik Guftagu , (Mutrajm),Qazi qaiser-ul-Islaam , Mashumoola Karachi, Daryaafat,1992, p: 25.
5. Shamim Ahmad, Mojuda Ehaad Main Uloom Balaghat ki ehmaiyat , Mashumoola DaraS-e-Balaghat .Tarqi Urdu Beuro , Dehlie, 1989,p;178.
6. Farooqi Shamur Rehman , Pas Nawishat,Shair Ghair Shair Aur Naasar, Mashumoola Mukalama Karachi , Shumara 3, p:162
7. Muzafer Ali Syed , Taaruf-o-Tarjuma , Tafseer Quraan Awu Falsafa-e-jaded,az Muhamad Hassan Askari,Lahore , Maasir, Shumaara 2, p:659
8. Muzafar ali syed tanqeed ki aazad, Lahore, Dastaweiz , p;335
9. Muhaamad Hassan Askari , Jadediyat ,Aab-e-Hayaat , Rawalpindi 1979, p: 87

10. Muzafer Ali Syed , Taaruf-o-Tarjuma , Tafseer Quraan Awu Falsafa-e-jaded,az Muhamad Hassan Askari,Lahore , Maasir, Shumaara 2, p:335
11. Wazeer Aagha Dr, Dastak Us Darwazy Par,Lahore Maktaba Fikar-o-Khiyal,1993 , p :57
12. Farooqi Shamur Rehman , Bahawla Sabiqa , p:167
13. Nazeer Sidiqi , bahwala sabiqa p:418
14. Gopi hand narang dr , bahwla sabiqa p:204
15. Atiq ullah,Dr, Adabi Istalahat ki wazahati Farhang,Dehli,Urdu Majlis,1995, p:581
16. Shaarab Darrdilvi, Aazadi Kay Bad Dehli Main Urdu Tanqeed,Dehi,Urdu Aaqadmi ,dehli,1991, p:104
17. Kashif Balooch , Yak Darida ,Rad-e-Sakhatiayat Aur Maasir Urdu Tanqeed, Ghair Matbua Tehqeeqi Makala Baraey M.Phil urdu BZU multan.
18. Faiz Ahmaad Faiz, Ibtaadiya,Mashumoola Nuskhaey Wafa,Dehli, Educational Publishing house, 1994 ,p:103
19 .Yunas Khan Advocate , Jaded Adabi Aur Kisaani Tehreekin,Lahore,Dua Publications, 2003, p:16
20. Rauff Niazi , Maabad Jadeediyat , Tareekh-O-Tanqeed , Halqa Aahang No, Karachi 2003, p: 100.110
21. Wazeer Agha Dr, Aik Niji Khaat Say Iqtabaas , Mashumoola Soghaat Bangloor , Pehli Kitaab ,1991, p:108
22. Muhammad Hassan Askari , Tafseer Quraan aur Falsafa Jaded , Taaruf –O-Tarjuma , Muzafar Ali Syed , Maasir . Lahore, shumara 2, p:665
23. Fazeel Jafari , Bahawla Idarayia Tashkeel Karachi , Shumara 36 -39, p:18
24. Muhamaad Ali Sidqi,Nishanaat , Idaara Asaar Neo Karachi 1981, p:119
25. Raman selden , A reader,s Guide to Contemporary Literary , The Harvester press, Sussex, 1985, p :1-2